REVIEW OF RESEARCH
IMPACT FACTOR : 5.2331(UIF) UGC APPROVED JOURNAL NO. 48514 ISSN: 2249-894X
VOLUME - 7 | ISSUE - 10 | JULY - 2018

صادقہ نواب سحر کی ناول نگاری۔۔۔ ایک اِجمالی جائزہ

(ڈاکٹر چوبدار محمد شفیع، اسوسی ایٹ پروفیسر اور صدر شعبۂ اُردو، ایس۔ ایس۔ اے۔ کالج شولاپور)

صادقہ نواب سحر بیک وقت اُردو اور ہندی ادب کا ایک چمکتا دمکتا نام ہے۔ اس سلسلے میں یہاں کچھ کہنے کا محل ہے نہ ضرورت کیوں کہ مجھے یہاں ڈاکٹر صادقہ کی ناول نگاری کا اجمالی جائزہ پیش کرنا ہے۔ میں انھیں بحیثیت معلم جانتا تھا اور اس بات سے بھی واقف تھا کہ یہ بحیثیت شاعرہ ادب کے میدان میں داخل ہوئیں اور افسانے بھی لکھے اور ہندی میں ان کے مضامین اور مقالے بھی شائع ہوئے۔ سیمیناروں اور مشاعروں میں انھوں نے شرکت بھی کی، ڈرامے بھی لکھے اور اُن کے ڈرامے اسٹیج کی زینت بھی بنے۔ بہرحال جس صنف میں انھوں نے کام کیا پذیرائی ہوئی، انعام واکرام سے نوازی گئیں۔ لیکن جب انھوں نے ناول نگاری میں قدم رکھا تو کامیابی نے انھیں گلے سے لگایا۔ پھر کیا تھا کہ وہ اکیسویں صدی کے ادبی اُفق پر روشن ستارہ بن کر ابھر آئیں۔ سن 2008ء میں شائع ناول ’’کہانی کوئی سناؤ متاشا‘‘ کی شہرت نے مجھے اس ناول کو پڑھنے کے لیے مجبور کر دیا۔ میں مختلف اصناف ادب کا مطالعہ اکثر کرتا ہی رہتا ہوں۔ اس ناول کا مطالعہ میرے لیے نیا تجربہ ثابت ہوا۔ مجھے یہ ناول عام ناولوں سے ہٹ کر لگا۔ بظاہر تو یہ عورت پر مردوں کے ظلم کی داستان ہے اور یہ موضوع دُنیائے ادب کے لیے نیا نہیں۔ بے شمار کہانیاں، افسانے، ناولیں اس موضوع پر لکھی گئی ہیں۔ خاص طور پر خاتون قلم کاروں نے خوب لکھا ہے۔ اس کے باوجود کہانی کوئی سناؤ متاشا کی بات ہی کچھ اور ہے۔ کیوں یہ ایک عورت کے ایسے دلسوز بیان پر مشتمل ہے جو قاری کو متاثر کرتا ہے اور بیانیہ میں ایسے کردار آتے ہیں اور ناول کی کہانی میں ایسے ایسے موڑ آتے ہیں کہ قاری پڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ ناول کے پشت کور پر سلام بن رزاق کی رائے تحریر ہے۔ اس سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

’’میرے نزدیک فکشن کی پہلی شرط اس کا مطالعاتی وصف ہے اور یہ وصف کہانی کوئی سناؤ متاشا میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اپنے تخلیقی اظہار، رواں دواں بیانیہ اور حقیقی کردار نگاری کے سبب یہ ناول شروع سے آخر تک قاری کو نہ صرف باندھے رکھتا ہے بلکہ ورق ورق اُس کے اندر ایک دبی دبی سی کسک بھی پیدا کرتا ہے۔‘‘

سلام بن رزاق صاحب نے جس مطالعاتی وصف کا اپنی رائے میں ذکر کیا ہے اس سے میں متفق ہوں۔ اسی وصف نے مجھے یہ ناول کو پڑھنے پر مجبور کیا۔ اس میں اور بھی اوصاف ہیں جو مطالعے کے دوران پرت در پرت سامنے آتے اور چونکاتے ہیں۔ اور زندگی کی سچائیوں کا احساس دلاتے ہیں۔ مصنفہ نے اپنے مرکزی کردار ’’متاشا‘‘ میں اپنی تحریر سے روح پھونک دی ہے۔ یہ فن تحریر کی خوبی ہے کہ یہ جگ بیتی کہیں کہیں آپ بیتی لگتی ہے۔ مثلاً:

> میرے پاپا کو لڑکیوں سے بڑی نفرت تھی ،لڑکی یعنی بیٹیوں سے میں اُن کی پہلوٹی کی اولاد تھی ۔ میرے جنم پر وہ تین مہینوں تک مجھے دیکھنے بھی نہیں آئے وہی کیا، میری پیدائش پر جیسے سبھی نے ایک طرح سے سوگ ہی منایا ۔ پہلا بچہ ہمارے یہاں سسرال میں ہوتا تھا ۔ پہلی اولاد سبھی کو بیٹا ہی چاہیے تھا ۔ دادی بھی ناراض تھیں ۔ مگر میرا بھولا خوبصورت چہرا دیکھ کر وہ اپنے سارے نظریات کو چھوڑ کر پیار کرنے لگیں اور سچ تو یہ ہے کہ میرے پرورش میں بھی انھوں نے بڑا رول ادا کیا ۔ پاپا مجھے تین مہینوں بعد دیکھنے آئے جب ان کے دوستوں نے میری تعریف کی، ''بچی کو دیکھو تو آؤ پیار خود بخود اُمڑے گا'' ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ ماں اور پاپا کی نفرت کا سبب کیا تھا ۔ یہ بات میرے لیے ہمیشہ ہی پہیلی رہی'' ۔ (ص ۔ ۱۹)

مرکزی کردار متاشا کا یہ تعارف بھی ہے اور دکھ بھی جو قاری کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں ۔ متاشا کے ساتھ جو کچھ گذرتا ہے وہ تو ہے ہی ۔ لیکن یہ تعارف اور یہ دکھ جو ناول کے ابتدائی صفحات میں خاندانی پس منظر کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ۔ آخر تک بھول نہیں پاتا ۔ متاشا سے ہمدردی کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ اس کے گناہ بھی ناکردہ گناہ لگتے ہیں ۔ اُس پر لگنے والے الزامات بھی جھوٹے لگتے ہیں ۔

اس ناول کی تکنیک پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ مصنف نے ناول کو ابواب میں تقسیم نہ کر کے متاشا کے بچپن، نو جوانی، جوانی اور پختہ عمری کے واقعات کے مواد کو مختلف عنوانات کے تحت پیش کیا ہے ۔ یہ قاری کو متوجہ کرنے کا ایک نفسیاتی طریقہ ہے جس میں مصنف کامیاب نظر آتی ہیں ۔ بظاہر تو یہ متاشا پر مبنی کہانی ہے لیکن اس کہانی میں اور بھی کئی کہانیاں در آتی ہیں ۔ کہانی در کہانی کا سلسلہ خوب تر اس لیے ہے کہ اس میں اگر غلطی ہو بھی جاتی تو ربط ٹوٹتا، ربط ٹوٹتا تو دلچسپی کم ہوتی، دلچسپی کم ہوتی تو مرکزی کردار متاشا کی اندر اور باہر کی کرداریت یعنی اس کا زندگی کے کسی بھی موڑ پر نئے نئے حادثات کا دکھ جھیلتے ہوئے بھی ضبط سے کام لینا اور ہمت نہ ہارنا قاری کے پلے نہ پڑتا ۔ مصنف نے ایسا ہونے سے اپنی تحریر کو فنکاری سے بچایا ہے ۔ اور ناول میں متاشا کے کردار کو سلیقے سے سجایا ہے ۔

ایک عورت مصنف کی ایک عام عورت کی پُر درد زندگی پر لکھی ہوئی پُر اثر کہانی پر دو ادب شناس قلم کار خواتین کی آراء ملاحظہ فرمائیں ۔

''صادقہ نواب سحر کے ناول میں متاشا کے ساتھ ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ ساتھ شہروں کا تعلق بھی مختلف ہے جسے محسوس کر کے متاشا کے اپنے مزاج کی گہرائی سامنے آتی ہے ۔ جس کے بعد لگتا ہے کہ وہ کبھی صحیح ہے اور کہیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کے فیصلے قطعی غلط ہیں ۔ دراصل اس جیتی جاگتی دُنیا میں خود ہمیں اپنے بارے میں اکثر اوقات ایسا ہی لگتا ہے ۔ یعنی یہ ناول

زندگی کے قریب ہے۔ جاگتا ہوا سوچتا ہوا ہے اور اس کے دامن میں بادل، بجلی، ننھے پھول سب کچھ ہے''۔

(بلقیس ظفر الحسن، سہ ماہی ''اسباق'' گوشۂ صادقہ نواب سحر 2011ء ص25)

''مصنف نے ایک خاص طبقے کے لوگوں کی زندگی کے نشیب و فراز کا فراخدلی سے جائزہ لے کر اسے عمدگی سے پیش کیا ہے۔ مجھے متاشا کو جینے کا نیا حوصلہ عطا کرتا ہوا اس ناول کا انجام بہت پسند آیا جو اس نئی شروعات کی نوید دیتا نظر آتا ہے۔ اپنی نوعیت کے منفرد ناول کے لیے میں صادقہ سحر کو اس دعا کے ساتھ مبارکباد دیتی ہوں کہ ان کا قلم یونہی رواں دواں رہے۔ اور ہر نقش، نقش اول سے بہتر ثابت ہو''۔

(شہناز غازی، سہ ماہی ''اسباق'' گوشۂ صادقہ نواب سحر 2011ء ص25)

کہانی کوئی سناؤ متاشا کی اشاعت 2008ء میں ہوئی تھی۔ تب سے اب تک اس کے دو ایڈیشن اُردو میں شائع ہوئے۔ 2014ء میں انگریزی میں اس کا ترجمہ ہوا۔ ایک ایڈیشن پاکستان میں بھی شائع ہوا۔ اس کے بعد پنجابی، تلگو، کنڑ، مارواڑی اور مراٹھی زبانوں میں بھی اس کے ترجمے ہوئے ہیں۔ اس کتاب پر اب تک کئی اہم نقادوں، قلم کاروں نے سیکڑوں مضامین لکھے ہیں۔ ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے انعامات سے بھی نوازا ہے۔ میرے پاس بھی لکھنے کے لیے بہت کچھ ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اس کے زندہ و جاوید کرداروں پر بھی لکھوں، پلاٹ کے تانے بانے پر بھی لکھوں، برجستہ مکالموں کا بھی حوالہ دوں، مبصروں اور نقادوں کی آراء پر اظہار خیال کروں۔ لیکن فی الحال میں اس اہم ناول کی کہانی کو اختصار میں بیان کرنے پر اکتفا کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۲۲۴ صفحات پر مشتمل یہ ناول چند سطروں میں تو بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن میں نے سوچا ناول کی کہانی کی روح کا لفظوں کے ذریعہ جہاں تک ممکن ہو سکے احساس تو دلایا جا سکتا ہے۔ مرکزی کردار متاشا جو کہ ایک مثالی کردار ہے۔ اس کی اہمیت کو بتایا تو جا سکتا ہے۔

متاشا کا کردار عام لڑکیوں سے بہت کچھ مختلف ہے۔ اس کردار کی تشکیل میں اس کا وہ بچپن ہے جو کہ اسکے نصیب میں آیا ہے۔ سارا خاندان اُس سے نفرت کرتا رہا ہے۔ اس لیے اُس میں ایک طرح کی ضدی پیدا ہوگئی ہے۔ اُس کی جھوٹ بولنے کی عادت، من مانی حرکتوں سے سب نالاں ہیں۔ ابھی یہ نویں کلاس میں ہی ہوتی ہے۔ اُس کی منگنی ایک عیسائی لڑکے سے کر دی جاتی ہے۔ یوراج جو اس کا منگیتر ہے۔ اسے چاہتا ہے۔ اس کی غیر سنجیدگی اور لاابالی پن کی وجہ سے منگنی ٹوٹ جاتی ہے۔ ماں باپ اور بھائی اس سے بیزار رہتے ہیں۔ لیکن متاشا کو تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے۔ وہ ابھی کالج میں پڑھ رہی ہوتی ہے کہ اُس کے ساتھ ایک حادثہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کے باپ کا ایک دوست موریشور کا موقع پا کر اس کی عزت لوٹ لیتا ہے۔ متاشا کا یہ تجربہ کچھ ایسا ہے کہ اُسے مردذات سے نفرت ہو جاتی ہے۔ متاشا کی زندگی میں کئی ایسے موڑ آتے ہیں کہ وہ سب کچھ

جھیلتے ہوئے زندگی کے دن کاٹ رہی ہوتی ہے کہ ایک دل شادی شدہ شخص اس کی زندگی میں آتا ہے جس کا نام گوتم ہے۔ وہ اسکے پانچ بچوں کی نگہداشت اپنے ذمہ لیتی ہے۔ اور اپنے خاندان کے لوگوں کی مدد بھی کرتی ہے۔ گوتم سے ایک لڑکا پیدا ہوتا ہے اور گوتم کی موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس کے بعد گوتم کے بچوں کا اُس کے ساتھ بُرا سلوک ہونے لگتا ہے۔ انکت متاشا کا سوتیلا بیٹا اس کے ساتھ ریپ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن کامیاب نہیں ہوتا۔ پھر انکت اسے طرح طرح سے ستانا شروع کردیتا ہے۔ غرض اُسے گھر اور جائیداد سے محروم کردیتا ہے۔ انکت کا ساتھ گھر والے دیتے ہیں۔ لیکن متاشا کا ساتھ کوئی نہیں دیتا۔ بس اس کا سہارا، اب اس کا اپنا بیٹا۔ دیپو ہی ہے۔ اسے ساتھ لے کر وہ جینے کی جدوجہد کرتی ہے۔ دیو کو پڑھانا چاہتی ہے لیکن حالات اُسے آٹو رکشہ ڈرائیور بننے پر مجبور کردیتے ہیں۔ متاشا جو کہ ایک برہمن خاندان سے تھی اس خاندان نے ہندو مذہب اختیار کرلیا تھا۔ گرجا گھروں اور مندروں کے بھی وہ چکر کاٹنے لگتی ہے۔ اپنا حق حاصل کرنے کے لیے عدالت تک بھی پہونچتی ہے۔

اس ناول میں کئی کردار ہیں، مہاراشٹر کے کئی شہر علی گڑھ (یوپی) کولکتہ وہاں کی تہذیب، بولیوں میں متوسط طبقوں کے کئی مسائل پر بھی اس میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ایک لحاظ سے متاشا ایک علامتی کردار ہے۔ جو کہ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم ان کے ساتھ پیش آنے والے نت نئے مسائل کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس ایک متاشا میں ناول نگار نے کئی متاشوں کو درشایا ہے۔ اس کے اردگرد ذیلی کرداروں کو بھی اہمیت دے کر مرکزی کردار کو اُبھارا ہے۔ متاشا کو کسی حال میں بھی مایوس اور نا اُمید نہیں بتا کر مصنف نے اس کردار کو ایسے مثبت طریقے سے پیش کیا ہے کہ قاری کا دل مہک اُٹھتا ہے کہ واقعی عورت ہو تو ایسی ہو۔ متاشا ایمانداری، وفاداری اور ممتا کا ایک مثالی کردار ہے۔ مصنف نے اس کردار کو بتدریج ابھارا اور بلندی پر پہنچایا ہے۔ اس فنکارانہ عمل کی ایک مثال دیکھیے کہ جب اُس کے بیٹے دیپو کی گرل فرینڈ اس کے پاس آتی ہے۔ وہ سہمی ہوئی سی ہے۔ لیکن متاشا اسے اشارے سے پاس بلا کر گلے لگاتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ کیجیے:

''ممی میں آپ کو بتانے آئی تھی کہ میں ''ماں''! اس نے سر جھکا لیا۔ اس کا سرخ ہوتا چہرہ مجھے سب کچھ بتا گیا میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''دیپو جانتا ہے۔

''ہاں گرا دینے کو کہتا ہے۔

''پھر''

''زیادہ دن ہو گئے ہیں جان کو خطرہ ہے۔'' میری نظریں چھت کی طرف اُٹھ گئیں میں کرسی پر گر گئی۔ وہ مرے گھٹنے پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ بڑے کٹھن لمحے بیت رہے تھے۔ پھر میں نے آنکھیں کھولیں اور کہا۔ ''اس سے کہنا مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے

پھر بھی نہیں مانتا تو بچہ مجھے دے کر کہیں اور اپنی زندگی بسا لینا۔ میں تمہیں اپنے بیٹے کی ذمہ داریوں سے آزاد کرتی ہوں''۔

میں نے اس کے چہرے پر ایک سکون دیکھا۔ پل ہی پل میں وہ ایک بلکتے ہوئے بچے میں تبدیل ہوگئی اور ہاتھ بڑھا کر اپنی توتلی زبان میں کہنے لگی۔ ''اب کیسے جاؤ گی دادی۔''

اس اقتباس کے بعد متاشا کے کردار کی بلندی کے بارے میں کچھ کہنے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں۔ ہاں احساس ضرور ہے۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اس ناول کے مرکزی کردار کے ذریعے مصنف نے عورت کی ہمت، جدوجہد اور عظمت کو جس طرح روشن کیا ہے۔ اس تقابل ماضی کے کسی بھی ناول سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انفرادیت ڈاکٹر صادق نواب سحر کے حصے میں آئی ہے۔ جو ادب کی مقبول صنف ''ناول'' میں اضافہ کا درجہ رکھتی ہے۔

ڈاکٹر صادق نواب سحر کا دوسرا ناول ''جس دن سے'' (2016ء) ان کے پہلے ناول ''کہانی کوئی سناؤ متاشا'' کی اشاعت کے آٹھ سال بعد شائع ہوا۔ تب تک بھی پہلے ناول کی شہرت کم نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ ان کا دوسرا ناول بھی ناول پسند حلقوں میں پڑھا گیا۔ پذیرائی بھی ہوئی، لیکن پہلے ناول کی مقبولیت کا رتبہ اسے نہ مل سکا۔ وجہ بتانے سے میں قاصر ہوں کیونکہ مجھے موضوع کے لحاظ سے یہ ناول بھی بہت پسند آیا۔ اس میں بھی رشتوں کی ٹوٹ پھوٹ ہے۔ بڑوں کی غلطیوں، لاپرواہیوں کی وجہ سے بچوں کی زندگیوں کی بے سمتی دکھائی گئی ہے۔ اسلوب نگارش پہلے ناول کی طرح دلکش ہے۔ زبان سادہ اور بیان دلچسپ ہے۔ یہ ناول پہلے ناول کی سماجی حقیقتوں کے ساتھ ساتھ عصریت کے کرب کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کا موضوع ماڈرن زندگی ہے۔ بدلے ہوئے ہندوستانی سماج کے عکاسی ہے۔ پہلے ناول میں نسائی کردار متاشا اپنی آپ بیتی بیان کرتی ہے۔ دوسرے ناول میں نوجوان کا بیانیہ اظہار کا ذریعہ بنا ہے۔ اس ناول کی تقریظ، نامور، مستند اور سینئر افسانہ نگار رتن سنگھ نے لکھی ہے۔ جسکی ابتدائی سطریں ملاحظہ فرمائیں۔

> ''کوئی پریوار ٹوٹ پھوٹ کر کگار پر ہو تو زندگی بکھر جاتی ہے۔ اُس کی صورت بگڑ جاتی ہے اور اسکی راہوں میں کانٹے کچھ اس طرح کچھ بچھ جاتے ہیں کہ صرف پاؤں ہی نہیں جسم ہی نہیں انسان کی روح بھی لہولہان ہوتی رہتی ہے۔ (کتاب ہذا، ص، ۷)

ان پُر اثر الفاظ کے فوراً بعد رتن سنگھ رقم طراز ہیں۔

> ''صادق نواب کا ناول ''جس دن سے'' ۔۔۔۔۔ ایسی ہی زندگی کی درد بھری داستان بیان کرتا ہے۔ ایسے ہی ایک پریوار میں جنم لینے والے ''جیتو'' کی زندگی کچھ ایسے دلدل میں پھنسی ہے جس میں باپ اس لڑکے کی ماں کو چھوڑ کر دو اور عورتوں سے شادی رچاتا ہے ایسے میں ماں کیا کرے؟ وہ بھی کسی دوسرے آدمی کے ساتھ رہنے لگتی ہے۔'' (کتاب ہذا، ص، ۷)

رتن سنگھ کے یہ الفاظ ناول کی کہانی کو مختصراً ظاہر کرتے ہیں۔ متاشا کی طرح جیتو اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔ جس کے ذریعہ ساری کہانی بیان کی گئی ہے۔ مصنف نے اس کردار سے موجودہ زندگی کے مسائل خاص طور پر نئی نسل کے لڑکیوں اور لڑکوں کی بے راہ روی، بے سمتی، مذہب سے دوری اور صرف پیسہ کمانے کی جستجو میں سکھ چین کا کھو دینا، بس وقت کے دھارے میں بہتے چلے جانا، جیسی بہت ساری حقیقتوں کی گرفت کی ہے۔ موضوع سامنے کا ہے روز مرہ کا ہے۔ دیکھا بھالا ہے لیکن جب یہ کہانی کے فن میں در آیا ہے۔ تو بہت متاثر کن ہو گیا ہے۔

اس ناول میں کال سینٹر میں کام کرنے والے لڑکے لڑکیوں کی زندگی کی سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔ جو سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

> ''کال سینٹر کوئی سماجی زندگی نہیں تھی۔ ہم نے آفس میں ہی سماجی ماحول بنا لیا تھا نظریہ اُلٹا ہو جاتا ہے۔ لوگوں کے بارے میں سوچنا بند ہو چکا تھا۔ سماج کے معنی نہیں رہے، ہم نائیٹ شفٹ کرنے والوں کو دن میں فرصت ہی کہاں ہوتی ہے۔ کال سینٹر میں ہی رشتے بن جاتے ہیں۔ جو محسوس ہوتا ہے کھلے پن سے اُس کا اظہار کرنے کی کوشش کر دیتے ہیں۔ وہی ہمارا نارمل برتاؤ ہوتا ہے۔ (کتاب ہذا۔ ص179)

ناول ''جس دن سے۔۔۔'' کے کئی رخ ہیں کئی پہلو ہیں۔ کس کس پر بات کریں، ایک طرف جیتو کی ماں جو اپنے شوہر کے ظلم سے تنگ آ کر دوسرے مرد کے ساتھ رہنے لگی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بچوں کو بھی بھول بیٹھی ہے۔ جیتو کے باپ کا مزاج اور رویہ عیش پسند ہے۔ جیتو کی ماں کے ہوتے ہوئے اس نے اور دو عورتوں سے شادی کر لی۔ جیتو ہے کہ دونوں کے بیچ پھنسا ہوا ہے۔ نہ باپ ہی اُسے اپنا تا ہے نہ ماں منہ لگاتی ہے۔ جیتو کا ٹینشن بڑھتا جاتا ہے۔ پڑھائی بھی برابر ہو نہیں پاتی۔ جگہ جگہ ٹھوکر کھاتا سنبھلتا ہے۔ کال سینٹر کی نوکری اسے پیسہ تو دیتی ہے مگر سکھ چین چھین لیتی اور وہاں کام کرنے والی لڑکیوں میں اسے لگتا کہ سکون مل جائے گا، محبت ملے گی۔ لیکن کچھ کچھ دنوں کے تجربے اُس کا منہ چڑاتے ہیں۔ جیتو چاہتا ہے کہ سب سے ساتھ رہے سب کو اپنا سمجھے لیکن تلخ تجربے اس کے حصے میں آتے ہیں۔ اس ناول کی کہانی کے کئی کردار ہیں جو اس کے مرکزی کردار جیتو سے جڑے ہیں۔ اتنے سارے کرداروں کو اُن کی نفسیات اور مرتبے کے ساتھ سنبھالنا ایک مشکل کام تھا۔ مگر مصنف نے بھی کرداروں کے ساتھ انصاف کیا ہے۔ منفی حالات میں مثبت راہیں تلاش کی ہیں۔ اس ہنر مندی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ایک عورت ہوتے ہوئے مردوں کی نفسیات پر نظر رکھنا، مردوں کے دماغ سے سوچنا، محسوس کرنا اپنے کرداروں سے کہانی کے لحاظ سے کام لینا غیر معمولی صلاحیت ہے۔ جو ڈاکٹر صادقہ نواب سحر میں بدرجۂ نظر آتی ہے۔ انھوں نے اپنی اس غیر معمولی صلاحیت سے خوب کام لیا ہے۔

"جس دن سے۔۔۔" ایک ضخیم ناول ہے۔ اس کی کہانی، جزیات اور اس کے کرداروں کی تفصیل کے ساتھ طویل ہے۔ مرکزی کردار جیتو کا کردار اپنی جگہ مستحکم ہے۔ واقعات، حادثات جیتو کے کردار کے رنگوں کو اور بھی گہرا کرتے ہیں۔ ماحول کی تبدیلی، چھپے ہوئے نفسیات و جنسیات کا اظہار، ارادوں کی شکست، اُمید کی کرن کی خواہش۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو مصنف کے دلنشین بیان سے اچھی لگتی ہیں۔ اور ناول کو پڑھوالیتی ہیں۔ اس ناول کو بھی اہم قرار نہ دینا ناانصافی ہوگی۔ اس پر تبصرے بھی ہوئے، مضامین بھی لکھے گئے اور اس کا تجزیاتی مطالعہ بھی پیش کیا گیا۔ اب ضرورت ہے تنقیدی مطالعہ کی تاکہ "جس دن سے۔۔۔" کی کہانی پرت پرت کھل کر سامنے آئے۔ بحیثیت قاری مجھے یہ ناول پسند آیا۔

آخر میں پروفیسر اشرف جہاں (صدر شعبہ اُردو پٹنہ یونیورسٹی) کے مضمون کے ایک اقتباس پر میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں کہ میں محترمہ کی اس رائے سے متفق ہوں۔

> "اکیسویں صدی میں دُنیا سمٹ گئی ہے۔ پوری دُنیا ایک ہے۔ لیکن پھر بھی اس دنیا کا انسان اکیلا ہے۔ تنہا ہے۔ جیتو کی سوچ کے "سوچتا ہوں راستہ کوئی بھی ہو منزل سکون ہے"۔ سائنس کی برکتوں نے انسان سے اُس کو سکون چھینا ہے لیکن جیتو بتاتا کہ ہے آج کے حالات میں بھی انسانیت باقی ہے اور سکون کی منزل، محبت اور انسانیت ہے۔ جیتو پر شہ غالب نہیں آسکا۔ اس لیے وہ نئے نظام اور اس کی خود غرضی کو پسند نہیں کرتا تھا جیتو کے احساسات کے اظہار کے لیے مصنف نے اُس کی ڈائری کا سہارا بھی لیا ہے۔ کہانی بیان کرنے کا سلیقہ ایسا ہے کہ مقصد ظاہر نہیں ہوتا قاری کو لمحہ فکر عطا کرتا ہے۔

(ماہنامہ "زبان و ادب" بہار)

☆☆☆

کتابیات :

۱) کہانی کوئی سناؤ متاشا۔ صادق نواب سحر

۲) جس دن سے۔۔۔ صادق نواب سحر

۳) زبان و ادب (ماہنامہ) بہار۔

۴) گوشہ "صادق نواب سحر" 2011 (سہ ماہی، اسباق) پونہ۔

۵) اُردو ناول کی تنقید و تاریخ۔

Dr. Chobdar Md. Shafi Abdul Sattar